# اردو تنقید میں تہذیبی مباحث

صفدر نعیم*

**Abstract:**

In Urdu literature enormous work have been critically evaluated with social, economic and political dimensions of criticism, but in the late 19th century and early 20th century, a group of critics and intellectuals started appraising literature in cultural perspective. In result, history of Islamic culture covering thousands of years, among Dravidian culture, Arian culture, Hindu culture and Christian culture.

تہذیب وثقافت کسی سطحی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی گیرائی اور گہرائی میں صدیوں پیشتر متنوع تہذیبی عوامل شامل ہوتے ہیں۔ یہ تہذیبی عوامل رسم ورواج اور پھر ادب وتنقید میں نئے نئے رجحانات کو فروغ دیتے ہیں۔ ادبی تنقید جہاں ادب میں مختلف نوع کی ذمہ داریوں کو نبھاتی ہے وہاں اس پس منظر کو قائم کرنے کی ذمہ داری بھی قبول کرتی ہے جس کی مدد سے ادب کی قدر و قیمت کا اندازہ ممکن ہوتا ہے۔ قدر و قیمت کا ایسا پس منظر نہ تو بدلا جا سکتا ہے اور نہ اس کے جغرافیائی اور تہذیبی علاقے ہی تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ تہذیبی پس منظر کا تخلیقی اصول زمانے اور کائنات کے درمیان نئے رشتوں کے قیام کی خوشخبری دیتا ہے۔ ''دیا سلائی ایک چراغ کو جلا کر خود بجھ جاتی ہے مگر چراغ کی لو میں وہ اپنے وجود کا اعلان کرتی ہے۔''(۱) اس اعتبار سے یہ پس منظر نئے تخلیقی ارادوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ جب تک تہذیبی وثقافتی اختلافات واشتراکات کی تلاش میں کامیابی نہیں ہوتی زمانے کا رُخ بھی واضح نہیں ہوسکتا۔ ہمارا ماضی کیا ہے؟ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ یہ سوالات اُٹھتے تو ہمارے ذہن میں ہیں مگر

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

ان کے جوابات ہمارا تہذیبی ورثہ مرتب کرتا ہے۔

ہر ادب اپنی تہذیبی ذمہ داریوں سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح اپنی وساطت سے اپنی تہذیب کے بلند ترین مقاصد کی نشاندہی کرتا ہے۔ نئے تنقیدی اور تہذیبی شعور کے ساتھ ادب اور بالخصوص اُردو ادب کی قدر و قیمت کو جانچنے کا سلسلہ بیسویں صدی کی کہانی ہے۔ زمین کا نقشہ بھی تہذیبوں کی تقسیم سے پیدا ہوتا ہے۔ عالمی ادب کا تصور مختلف ادبیات اور تہذیبوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اردو تنقید بھی ادب کی اس بدلتی ہوئی حالت سے متاثر ہوئی۔ مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد حسین آزاد نے سب سے پہلے ان روایاتِ تنقید سے بغاوت کر کے نئے خیالات ونظریات کو پیش کیا اب تنقید میں یہ نیا رجحان پیدا ہوا کہ ادب وشعر کو زندگی کا ترجمان ہونا چاہیے۔ اس نئی روایت کا قائم ہونا ایک تاریخی ضرورت تھا کیونکہ سماجی حالات کی تبدیلی نے زندگی کو بالکل ایک نئے راستے پر ڈال دیا تھا۔ ''حالی نے صحیح تنقید کی داغ بیل ڈالی ان کا مقدمہ، شعر وشاعری ہمارے ادب میں ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری تصانیف اور مقالات میں بھی تنقید کی شان نظر آتی ہے۔''(۲)

ایک عام خیال یہ تھا اور بعض حلقوں میں آج بھی موجود ہے کہ اردو تنقید کا کوئی مسلسل ارتقا نہیں۔ بعض لوگ تو سرے سے اس کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اردو میں تنقید کا ایک مستقل اور مسلسل ارتقا ملتا ہے۔ اردو ادب کی عمر دو اڑھائی سو سال سے زیادہ نہیں اور اردو نثر کی عمر تو اس سے بھی کم ہے۔ اس مختصر عرصے میں جو ترقی ایک صنف ادب یا شعبہ ادب کے لیے ممکن ہو سکتی تھی اردو تنقید میں بھی نظر آتی ہے۔(۳) ہندوستان کی تہذیبی زندگی یوں تو ہمیشہ تبدیلیوں کا شکار رہی لیکن یہ تغیر کے نئے موڑ پر اس وقت آئی جب تہذیبی وثقافتی رویے نے زندگی کے ہر شعبے کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا۔ احمد مقصود حمیدی تنقید میں تہذیبی روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''تنقیدی اصول کسی خلا میں نہیں پیدا ہوتے۔ ناقد کا ذہن اپنے معاشرے میں کسی خاص معاشرتی، اخلاقی اور فلسفیانہ آب وہوا میں نشوونما پاتا ہے۔ وہ فن پاروں کو ایسے اصولوں پر پرکھتا ہے جو اسے ''ایک طرح'' سے ورثہ میں ملتے ہیں۔۔۔''(۴)

چونکہ ہر ناقد اپنے عہد کے ادبی وتہذیبی سوالوں کا جواب دیتا ہے اس لیے اس سے اس کے عہد کے تہذیبی ومعاشرتی حالات اور ان سے پیدا شدہ ادبی سوالات کو سمجھنا ضروری ہے۔ کلیم الدین احمد کے خیال میں اردو تنقید کا وجود محض فرضی ہے۔ چنانچہ ان کے اس خیال نے قدیم اردو تذکروں کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے جو اکثر و بیشتر انتقادی فیصلوں اور دقیق ولطیف تنقیدی اشارات پر مشتمل ہیں۔ ''اردو ادب نے عربی کے علمی ذخائر اور فارسی

کے ثقافتی مخازن سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔''(۵) انیسویں صدی کے اواخر ہی میں مغربی تہذیب کے سیلاب نے مشرقی تہذیب وتمدن کی اقدار کو بہت حد تک بدل دیا تھا لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں کچھ ایسے عوامل رونما ہوئے کہ لوگ فارسی اور عربی کی علمی اور ادبی میراث سے بھی بیگانہ ہو گئے۔فرض یہ کر لیا گیا کہ مغرب میں جو اصول انتقاد ادبیات رائج ہیں، انہی سے کام لے کر اردو کی ہر ادبی تخلیق کو پرکھا۔

بیسویں صدی میں تنقید میں دو دھارے بڑے واضح دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے دھارے میں مصنف ہی تصنیف کے معانی کا واحد یا با اختیار فیصلہ کنندہ ہوتا ہے۔اس میں یہ اصول کارفرما تھا کہ اگر ہم کسی ادب پارے کی معنویت اور غرض وغایت سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھنا پڑے گا کہ مصنف کا منشا کیا ہے یا لکھتے وقت کیا رہا ہوگا۔یہی موقف تہذیبی وثقافتی پہلو کو اجاگر کرتا دکھائی دیتا ہے۔اس کے برعکس ڈاکٹر سہیل احمد خان اور سلیم الرحمٰن کے خیال میں بیسویں صدی میں تنقید کے نئے رویوں نے مصنف کے وجود کو غیر ضروری یا غیر متعلق قرار دینے کے ضمن میں اتنی موشگافیاں کیں کہ مصنف کی حیثیت غزل کے معشوق کی کمر کی طرح رہ گئی کہ وہ ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے'' پرانی وضع پر اڑے رہنے والے ناقدین اور قارئین کو اس طرح کے مباحث فضول معلوم ہو سکتے ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔مصنف اور متن کے تعلق یا عدم تعلق کے نئے نظریوں کو من وعن نہ بھی قبول کیا جائے تو بھی وہ ادب فہمی کے نئے درہم پرکھ لیتے ہیں اور ادبی متون کو نئے انداز سے دیکھنے اور پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔(۶) ان حالات نے اس زمانے کی زندگی کے ہر شعبے کو بگاڑ کر رکھ دیا۔سیاسی اور تہذیبی انتشار نے معاشی اور اقتصادی زندگی میں افراتفری پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان اقدار کو پس پشت ڈالنا مشکل ہو گیا۔''سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ معاشرتی اور تہذیبی اقدار متزلزل ہو گئیں۔سال ہا سال کے بنے ہوئے معیار ڈانواڈول ہو گئے۔''(۷) ادبی تنقید، ادب کے سلسلے میں جہاں مختلف نوع کی ذمہ داریوں کو نبھاتی ہے وہیں اس پس منظر کو قائم کرنے کی ذمہ داری بھی قبول کرتی ہے جس کی مدد سے ادب کی قدر و قیمت کا اندازہ ممکن ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ قدر و قیمت کا ایسا پس منظر نہ تو بھلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے جغرافیائی اور تہذیبی علاقے تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔''ادبی تنقید کا پس منظر اپنی تہذیبی سرزمین کے ساتھ اسی رشتے میں پیوست ہوتا ہے جس رشتے کے ساتھ درخت اپنی طبعی سرزمین پر اگتا اور بارور ہوتا ہے۔تاہم ادب کا تہذیبی پس منظر ایک ایسے تنقیدی طریق کار کی نشاندہی بھی کرتا ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔''(۸)

ادب میں تہذیبی پس منظر کی شمولیت اور تنقید کے طریق کار میں اس پس منظر کے حوالے سے جہاں پس منظر کو زمانے کی سیلاب نما آندھی میں مدغم ہونے سے بچا سکتے ہیں، وہیں ادب ہی ایک ایسا ذریعہ ہے اور ادبی تنقید

ہی ایک ایسا طریقہ کار ہے جو تہذیبی پس منظر کو دوبارہ زندہ نسلوں کی گفتگو میں شریک کرسکتا ہے۔ ماضی صرف اسی راستے سے زندہ نسلوں کے ساتھ گفتگو کرسکتا ہے اور زمانہ حال کے ساتھ ہم نشست ہوکر بات چیت کرسکتا ہے، مستقبل اور زمانہ حال کے عین درمیان ہمارا تہذیبی ماضی صرف ادب ہی کے ذریعے آ جاسکتا ہے اور اس پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ ماضی رخصت ہو چکا ہے۔ ادب کی دنیا کو ضرورت ہے کہ نہیں ہے، ماضی کی ہمارے حال کو بے حد ضرورت ہے۔ اس لیے جب ادب میں ماضی ایک تیسرے فریق کے طور پر شامل ہوکر گفتگو کرتا ہے تو وہ سارے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں جن کی جانب ہمارے احیا کی تاریخ تمدنی اور فکری طور پر اشارہ کرتی ہے۔ ''کسی زبان کی شاعری کا مطالعہ اس بات کا متقاضی ہے کہ پہلے اس تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔''(۹)

تنقید نگاری میں ادبی تاریخ کے مقامی کلچر اور تحقیق کے عناصر کو زیر بحث لانا بہت ضروری ہے۔ ادب میں اس مثلث کے بغیر صحیح اور مکمل تنقیدی نظام کی بازیافت ممکن نہیں۔ محض ادبی تاریخ اور اس کے ماضی و حال کے تعلق کی مدد سے تنقید کرنا اہم سہی لیکن یہ تنقیدی رویہ، غیر تسلی بخش اور ناکافی ہے۔ تنقید محض ادبی حوالوں کے اندراج کا نام ہی نہیں بلکہ اسے حال کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے مقامی کلچر کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ مقامی کلچر میں زمین کی بو باس، معاشرتی رنگ ڈھنگ اور ادبی ماحول کی چھاپ بہت گہری ہوتی ہے اور تنقید نگاری میں ان امور کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاکہ ادب کی پرکھ کے لیے اس تہذیبی و ثقافتی تناظر کو بھی پرکھا جاسکے۔ ''ادب اور سماج کو ایک دوسرے سے الگ کرکے نہیں دیکھا جاسکتا۔ جس ادب میں اپنے گردوپیش کا منظر نامہ، سماجی تغیرات، اور ثقافتی تصورات کا ذکر نہ ہوگا اس کی جڑیں عوام میں مضبوط نہ ہوں گی۔''(۱۰) تہذیبی و ثقافتی رجحانات اور عناصر زندگی کے اندر جوہر اور لطافت کا اضافہ کرکے انسان میں ایسی اقدار سے طمانیت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے جو خالصاً غیر افادی ہیں اور جہاں مقصد اور جہت، اصول اور اقدار کی شکل اختیار کرکے نئے معنی پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے میں جو کچھ سوچا اور تخلیق کیا جاتا ہے اس میں سارا معاشرہ شریک ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے کہ ان کا تہذیبی و تنقیدی سفر کچھ نہیں تو نصف صدی کا قصہ تو ہے۔ اسے دیوانگی کہا جائے خواہ کچھ اور، اُن کے کام میں خواہ وہ زبان و لسانیات و اسلوبیات سے تعلق رکھتا ہو یا اساطیر و دیومالا سے، غزل و مثنوی یا ادبی تھیوری سے، میر و غالب، اقبال و نظیر، فیض و فراق، جڑوں کی کھوج یا تہذیبی رشتوں کی بازیافت کہیں نمایاں کہیں تہہ نشیں ان کی ہم رکاب رہی ہے اور اُن کی ترغیب ذہنی سمت نمائی کا کام کرتی رہی ہے۔ اس میں وہ کتنے کامیاب ہوئے یا کتنے ناکام، اس میں کامیابی یا ناکامی کوئی پیمانہ نہیں ہے۔(۱۱) بعض اہل فکر کا کہنا ہے کہ ادب کا اصل موضوع ہمارا اپنا عہد اور زمانہ ہے اور ادب کی تشریح کے لیے لازمی ہے کہ ہم ادب کو اپنے عہد کے حوالے سے پرکھیں اور دیکھیں کہ ادب کی

اپنے زمانے کے ساتھ کیا نسبت ہے۔اس لیے جو ادب اپنے زمانے کی بات نہیں کرتا اور نہ اس زمانے کی زبان اور محاورے میں گفتگو کرتا ہے وہ ادب اپنے عہد کے لیے بیکار ہے۔ایسا رویہ صرف اپنے عہد کے اندر محصور ہو جانے کی گنجائش پیدا کرتا ہے اور محصور ذہن کو صرف حصار ہی دکھائی دے سکتا ہے۔ باقر صاحب تنظیمی اصولوں کو ''پدری اصول'' اور تخلیقی اصول زندگی کو ''مادری اصول'' کہتے ہیں۔اور ان دونوں کی تنظیم اور ہم آہنگی میں تخلیق کی کامیابی ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''باقر صاحب کے تنقیدی نظام کو سمجھنے کے لیے ''تہذیب'' کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔۔۔وہ آسمان اور زمینی رشتوں کے اختلاط کو تہذیب کی تخلیق قرار دیتے ہیں۔آسمان کو پدری تخلیق سے تعبیر کیا ہے اور زمین کو مادری اصول تخلیق سے۔ان کی نظر میں مادری اصول یعنی زمین تخلیق کا مقصد اور پدری اصول یعنی آسمان اس کا ذریعہ ہے اور پدری و مادری اصول کے اختلاط سے تہذیب کی مختلف صورتیں زبان، ادب، طرزِ تعمیر، رسم ورواج وغیرہ تشکیل پاتے ہیں۔'' **(۱۲)**

مسلمان جب برصغیر میں آئے تو تصورِ حیات یعنی مذہب اور اس سے پیدا شدہ مابعد الطبیعات، اقدار اور علامتیں اپنے ساتھ لے کر آئے۔ پدری اصول کم وبیش ایک ہی تھا جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہاں کی زمین، آب وہوا، مادی حالات اور اس سرزمین پر بسنے والوں کی اپنی تہذیب ان کی تخلیق زندگی کے لیے مادری اصول بن گئی۔ان دونوں کا ملاپ ہی اسلامی تہذیب کا باعث تھا۔''مسلمانوں کی تہذیب میں بنیادی اہمیت آسمان کو یا پدری اصول تخلیق کو حاصل ہے۔۔۔ہماری تہذیب کے سارے عناصر جس میں زبان، ادب، طرز، تعمیر، رسم ورواج سب کچھ آتے ہیں، آسمان وزمینی، پدری ومادری اصول تخلیق کے اختلاط کا نتیجہ ہیں۔'' **(۱۳)**

متحرک تہذیب کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تخلیقی تجربے کیے جائیں اور ان تخلیقی تجربوں کی بنیاد سابقہ اعلیٰ تجربوں پر ہونی چاہیے، جو ہماری تہذیب کا حصہ بن چکے ہیں۔یہی اعلیٰ تجربے ہماری وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعے ہم اپنی روح سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی روحانی زندگی کی تنظیم کرتے ہیں۔ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے تہذیبی وثقافتی عناصر کو نہ صرف اپنے نظریات میں شامل کیا بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی اس کو اپنایا۔اسی طرح میراجی نے اپنی تنقیدی تحریروں میں مقامیت کو فن پارے کی قدر شناسی کا بنیادی حوالہ بنایا۔ ہندوستان کی مخصوص ثقافتی فضا، تہذیبی مظاہر اور مظاہر فطرت اور دیگر حسّی وسائل کی وساطت سے نظموں کی تفہیم میراجی کی تنقید کا مابہ الامتیاز عنصر ہے۔ان کے نزدیک نسلی اور لاشعوری تجربات بھی جغرافیائی منظر نامہ سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اس طرح ثقافت، لاشعور اور جغرافیائی منظر نامہ باہم مربوط ہو کر شعری اور تنقیدی تجربے کی تکمیل کرتا ہے۔''ادبی اقدار تہذیبی

حوالوں سے صورت پذیر ہوتی ہیں اور ادبی متن فی نفسہ ایک ثقافتی تشکیل کی حیثیت رکھتا ہے۔فن پارہ ثقافتی بوقلمونی کے حوالے سے مرتب بھی ہوتا ہے اور متشکل بھی۔''(۱۴)

دوقومی نظریے میں مذہب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت اور زبان الگ ہے۔تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے تو مذہب کے علاوہ ان کی اپنی ثقافت بھی تھی۔تنقید میں یہی ثقافتی رویے ابھر آئے۔

> ''جداگانہ ثقافت اور زبان وہ عناصر ہیں جن کا ذکر دوقومی نظریے میں مسلمان سیاسی مشاہیر نے بار بار کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی تخلیق کے بعد ہماری تنقید میں نظریہ سازی کرتے ہوئے بیشتر نقادوں نے ثقافت اور زبان کو ضرور موضوع بنایا ہے۔محمد حسن عسکری نے جب پاکستانی ادب کی تحریک کا آغاز کیا تھا تو پس منظر میں کلچر اور زبان ہی بنیادی عوامل تھے۔۔۔''(۱۵)

محمد حسن عسکری جس معاشرتی نظام کا ذکر کرتے ہیں وہ انگریزی عہد سے قبل کا سماجی نظام ہے جسے نئے حالات ایک نئی شکل دے رہے تھے۔ان کے پاس کوئی ایسا نظریہ نہیں تھا کہ وہ نئی تبدیلیوں کو روک سکیں لیکن وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ پرانے تہذیبی مظاہر اور اس کی اخلاقیات کو ادب کا حصہ دیکھیں۔اسلام سے ان کی وابستگی بھی ان وسیع معنی کی حاصل ہے کہ جس میں محض عبادات ہی نہیں بلکہ وہ تمام ثقافتی مظاہر بھی شامل ہیں جو مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے عہد حکومت کے دوران میں پیدا کیے۔اب ہماری زندگی کا مقصد تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان ثقافتی اعتبار سے اپنا مسلمان ہونا یاد رکھیں۔فی الحال مسلم ثقافت کو چھوڑنے کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آئے گا۔محمد حسن عسکری کے خیال میں ابھی تک کم سے کم موجودہ نسل کی رگ رگ میں اپنا کلچر اس طرح بسا ہوا ہے کہ مدتوں غیر شعوری طور پر اس کا اظہار ہماری حرکات وسکنات سے ہوتا رہے گا اور تو اور خود مسلمان کمیونسٹ جو شعوری طور پر یا اپنی پارٹی کے حکم سے مجبور ہو کر ہر طریقے سے مسلمانوں کی جڑیں کھودنے میں مصروف رہتے ہیں، غیر شعوری طور پر مسلم کلچر سے متعلق ہیں۔(۱۶) ادب اور ثقافت کے رشتے اس قدر گہرے ہیں کہ ان پر جبریت کی تعریف صادق آتی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ انسانی زندگی کا ''کل'' ثقافت ہے اور ادب اس ''کل'' کا ایک جز تو غلط نہ ہوگا۔''ثقافت اور ادب کا تصور میتھالوجی کے دور سے ہی پیدا ہو جاتا ہے۔۔۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم آج بھی کسی نہ کسی میتھالوجی کے لاشعوری طور پر اسیر ہیں اور ہر چند کہ ہماری ساری کوششیں لاشعور کو دبانے اور شعور کو ابھارنے کی طرف ہیں۔''(۱۷)

ڈاکٹر انور سدید نے ''اردو ادب کی تحریکیں'' میں تہذیبی و ثقافتی رجحان کو ارضی ثقافتی تحریک قرار دیا ہے۔

ان کے نزدیک ارضی ثقافتی تحریک کی ایک جہت ماضی کی طرف اور دوسری مستقبل کی طرف ہے۔اس لئے یہ تحریک شکست وریخت کے بجائے تعمیر اور مخالف قوتوں کے ادغام پر یقین رکھتی ہے اور ارتقا کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے تخلیقی دائرہ بناتی ہے۔جیسا کہ تہذیبی مباحث کی اہمیت ان سطور سے بھی واضح ہے۔ ''چنانچہ ادب کی تنقید میں اساطیری عناصر اور ARCHETYPAL IMAGES کی دریافت ناگزیر ہے۔گویا ارضی ثقافتی تحریک نے انسان کے پورے ماضی سے رشتہ استوار کیا ہے اور ادب کی تخلیق کو انسانی سائیکی کا کرشمہ قرار دیا ہے۔ہند اسلامی ثقافت کی ابتداء اس سرزمین سے ہوئی اور باہر سے آنے والے اثرات نے اس کی بیخ و بنیاد کو اکھاڑا نہیں بلکہ اس میں مقدور بھر اضافہ کیا ہے۔''(۱۸)

اردو ادب کی دیگر اصناف کی طرح اردو تنقید بھی مغربی اور مختلف تنقیدی دبستانوں کی تقلید میں پروان چڑھی۔مختلف ادوار اور کٹھن مراحل طے کرتے ہوئے نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔اردو تنقید میں تہذیبی و ثقافتی رجحان کو متعارف کروانے والوں میں سرفہرست کلیم الدین احمد، محمد حسن عسکری، عزیز احمد، ڈاکٹر وزیر آغا، جیلانی کامران، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر جمیل جالبی، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر سلیم اختر، سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر انور سدید اور سبط حسن اور متعدد ناقدین ادب نے اپنی عملی تنقید میں کم یا زیادہ تہذیبی و ثقافتی عناصر کو برتا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ احمد ندیم قاسمی، تہذیب وفن، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز طبع اول، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۱۔

۲۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، مقدمہ، اردو تنقید کا ارتقا، از ڈاکٹر عبادت بریلوی، انجمن ترقی اردو پاکستان، طبع پنجم، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۵، ۳۶۔

۳۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، حضرت خواجہ میر دردؒ دہلوی (حیات اور شاعری)، ادارۂ ادب وتنقید لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۔

۴۔ مقصود احمد حمیدی، دیباچہ، مغرب کے تنقیدی اصول، از ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، مقتدرہ قومی زبان، طبع چہارم، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ح۔

۵۔ عابد علی عابد، سید، پروفیسر، اصول انتقادِ ادبیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۳۷، ۳۳۸۔

۶۔ سہیل احمد خاں، ڈاکٹر، محمد سلیم الرحمان، مرتب: منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹، ۳۰۔

۷۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، حضرت خواجہ میر دردؒ دہلوی (حیات اور شاعری)، ادارۂ ادب وتنقید لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۳۷۔

۸۔ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، طبع اول، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۔

۹۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، گیارہواں ایڈیشن، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۔

۱۰۔ محمد عالم خان، چند نئے ادبی مسائل، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

۱۱۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو غزل اور ہندوستانی ذہن وتہذیب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۔

۱۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، دیباچہ، تہذیب وتخلیق از ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، امقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ط۔

۱۳۔ سجاد باقر، رضوی، ڈاکٹر، ہذیب وتخلیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۴۷۔

۱۴۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۹

۱۵۔ روبینہ شہناز، ڈاکٹر، اردو تنقید میں پاکستانی تصورِ قومیت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۱۱۷

۱۶۔ حسن عسکری، محمد، مجموعہ محمد حسن عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۳۱۔

۱۷۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، ادب اور ثقافت، مشمولہ، کلچر منتخب تنقیدی مضامین، مرتبہ، اشتیاق احمد، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۱، ۱۸۲۔

۱۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان طبع پنجم، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۶۱۵، ۶۱۶۔